تار کا پتہ الفضل قادیان بٹالہ

نمبر ۸۳۵ رجسٹرڈ ایل

اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ ۔ عَسٰى أَنْ يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَحْمُودًا

غلام احمد قادیانی

THE ALFAZL
QADIAN

اخبار الفضل قادیان

ہفتہ میں تین بار ۔ فی پرچہ تین پیسے

ایڈیٹر غلام نبی

قیمت سالانہ ... شش ماہی ... سہ ماہی ...

جماعت احمدیہ کا مسلمہ آرگن جسے (۱۹۱۳ء میں) حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب خلیفۃ المسیح ثانی نے اپنی ادارت میں جاری فرمایا

نمبر ۱۰۷ ۔ مورخہ ۲۸ مارچ سنہ ۱۹۲۵ء ۔ مطابق ۲ رمضان المبارک ۱۳۴۳ھ ۔ جلد ۱۲

مدینۃ المسیح

حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بفضل خدا بخیریت ہیں

حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا بعارضہ بخار علیل ہیں۔ احباب ان کی صحت کے لئے دعا فرماویں۔

جناب حافظ روشن علی صاحب جموں سے واپس تشریف لے آئے ہیں۔ جناب مولوی عبدالرحیم صاحب نیر جموں سے واپس آتے ہوئے سیالکوٹ ٹھہرے۔ جہاں آپ نے میجک لینٹرن سے مردوں اور عورتوں میں کامیاب لیکچر دئے۔ وہاں سے روانہ ہو کر آپ بٹالہ ٹھہر گئے جہاں مولوی جلال الدین صاحب شمس کا ایک غیر احمدی سے مناظرہ ہو رہا ہے۔

مسماۃ امینہ بی بی صاحبہ زوجہ شیخ عبدالحق صاحب بکنہ وڈالہ بانگر جو ۲۴ تاریخ فوت ہوئیں۔ ۲۵ کو ان کی لاش قادیان لائی گئی اور مرحومہ مقبرہ بہشتی میں دفن ہوئیں۔

ایک لاکھ چندہ کی تحریک کو کامیاب بنانا

ہر احمدی کا فرض ہے

حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے تین ماہ میں ایک لاکھ چندہ خاص جمع کرنے کے لئے جو تحریک فرمائی ہے۔ اُسے کامیاب بنانا ہر احمدی کا فرض ہے۔ اس وقت تک کہ اس تحریک کو شائع ہوئے ایک ماہ سے زیادہ عرصہ گذر چکا ہے۔ ہر ایک احمدی کو دیکھنا چاہیئے کہ اُس نے اس میں کس قدر حصہ لیا ہے وہ احباب جنہوں نے ابھی تک اس طرف توجہ نہیں کی یا پوری توجہ نہیں کی۔ انہیں بہت جلدی متوجہ ہونا چاہیئے۔ ایسے موقع ہر روز نہیں ملا کرتے

کابل کے مظالم کے خلاف احمدی جماعتوں کی طرف سے صدائے احتجاج

جماعت احمدیہ قادر آباد انجمن احمدیہ قادر آباد ضلع سیالکوٹ اپنے ایک غیر معمولی اجلاس میں حکومت کابل کے مظالم کے خلاف جو اس نے غیر شریفانہ طور پر ہمارے بھائیوں پر کئے ہیں۔ اظہار نفرت کا ریزولیوشن پاس کرتی ہے۔ اور انجمن مذکور مہذب دنیا کے سامنے کابل کے ان ناروا افعال کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتی ہے اور یقین رکھتی ہے کہ حکومت کابل اپنے ان مظالم کے ساتھ احمدیت کی بڑھتی ہوئی ترقی کو ہرگز نہیں روک سکتی۔

غلام حسین سکرٹری جماعت احمدیہ قادر آباد

جماعت احمدیہ زیرہ ہم احمدیان جماعت زیرہ ضلع فیروز پور اس خبر کو سنکر نہایت غمگین ہوئے۔ کہ امیر کابل نے محض مذہبی اختلاف کی بناء پر ہمارے دو عزیز بھائیوں کو پتھر مار مار کر شہید کر دیا ہے۔ ہمیں یقین ہے۔ کہ یہ قربانیاں رائگاں نہ جائینگی۔ اور خون ناحق ضرور رنگ لائیگا

(۲) امیر کابل کا یہ ظالمانہ فعل نہ صرف قرآن شریف و احادیث نبوی اور سنت رسول صلعم کے ہی خلاف ہے۔ بلکہ انسانی تہذیب پر بھی بدنما دھبہ لگانے والا ہے۔ اس لئے ہم اس کے برخلاف نہایت زوردار الفاظ میں نفرت و حقارت کا اظہار کرتے ہیں اور ساتھ ہی دنیا کی مہذب اقوام سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ امیر کابل کے اس انسانیت سوز فعل کے خلاف پُر زور الفاظ میں صدائے احتجاج بلند کریں۔ تاکہ ظالم اپنے ظالمانہ فعل سے پشیمان ہو کر آئندہ اس کے ارتکاب سے باز رہے۔

(۳) آخر میں ہم دعا کرتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ حکومت کابل کی آنکھیں کھولدے۔ اور اس کو حق کے قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

خاکسار حبیب احمد (مولوی فاضل) سکرٹری انجمن احمدیہ زیرہ

جماعت احمدیہ کاٹھ گڈھ جماعت احمدیہ کاٹھ گڈھ شہدائے کابل کی وفات پر دردمندانہ دل سے اظہار غم و افسوس کرتی ہے۔ اور امیر کابل کے اس فعل کو نہایت نفرت کی نگاہ سے دیکھتی ہے۔

خاکسار: عبدالسلام امیر جماعت احمدیہ کاٹھ گڈھ ضلع ہوشیارپور

جماعت احمدیہ دہلی کا سالانہ جلسہ

۲۷ فروری کو ہماری مذہبی کانفرنس بعد نماز مغرب منعقد ہوئی اس کانفرنس کے انعقاد سے ایک ہفتہ پہلے عیسائی۔ آریہ۔ بہائی۔ غیر احمدی انجمنوں کو دعوتی خطوط بھیجے گئے تھے۔ آریہ سماج کے سالانہ جلسہ پر جو ہمارے جلسہ سے دس یوم پہلے منعقد ہوا۔ "عالمگیر مذہب کون سا ہو سکتا ہے" کے عنوان پر ہمارا مضمون تمام دیگر مذاہب کے مقابلہ پر دوست و دشمن کی تصدیق سے اول نمبر ثابت ہوا تھا۔ آریہ سماج کو کیونکر ہمت پڑ سکتی تھی۔ کہ اس کانفرنس پر ہمارے مقابلہ میں کوئی مضمون پیش کر سکتی۔ چنانچہ ہماری بار بار کی یاد دہانی پر بھی کوئی نمائندہ سماج کی طرف سے پیش نہ ہو سکا۔

بہائیوں کا فرار البتہ بہائیوں کا مضمون احمد علیخان بہائی نے پڑھکر سنایا۔ شیخ عبدالحق صاحب غیر مبایع کو بھی مضمون پڑھنے کا موقعہ دیا گیا۔ اور آخر میں مولوی جلال الدین صاحب شمس نے انجمن احمدیہ دہلی کی طرف سے مضمون پڑھکر سنایا جس کو حاضرین نے متفقہ طور پر پسند فرمایا۔ اور خواہش ظاہر کی کہ جناب میر قاسم علی صاحب آج ہی اگرچہ پروگرام میں کوئی تقریر درج نہیں اپنے خیالات سے مستفید فرما دیں۔ چنانچہ سامعین کے اصرار پر میر صاحب سٹیج پر تشریف لائے۔ اور فرمایا۔ آج میں کسی مسئلہ پر تقریر نہ کرونگا۔ بلکہ اپنے لیکچروں کے متعلق اعلان کرتا ہوں اور نیز بہائی مذہب کی حقیقت بیان کرتا ہوں۔ میر صاحب کی طرز تقریر ایسی دلکش اور پسندیدہ تھی۔ کہ حضرات دہلی لوٹ لوٹ گئے دوران تقریر میں ان غداروں کی غداری سے بانی کا بھی ذکر کیا اور ان کے عقائد کھول کھول کر بیان کئے۔ تقریر کے بعد مولوی محفوظ الحق صاحب نے کوشش کی کہ بہائی مذہب کی حقیقت پر پردہ پڑا رہے اور کہا کہ ہم اسلام کے خلاف نہیں بلکہ اسکی تصدیق کرتے ہیں منسوخ کا لفظ ہماری کسی کتاب میں نہیں دکھا سکتے۔ اسکے برخلاف احمدی آپ لوگوں کو کافر کہتے ہیں۔ جس پر مولوی جلال الدین صاحب شمس نے کتاب اقدس کی اصل عبارات پڑھکر سنائیں اور منسوخ کا لفظ بھی دکھلایا جس پر خلقت میں شور برپا ہو گیا۔ اور بہائی چلے گئے۔ جنہیں پھر تینوں دن ہمارے جلسہ میں آنے کی ہمت نہ پڑی۔

آریوں کا فرار سال گذشتہ ہم نے آریہ سماج دہلی کے مایہ ناز مناظر مہاشہ رام چندر صاحب کو مناظرہ کے لئے کامل دس گھنٹے دیئے۔ جس پر انہوں نے صحت کا عذر کرتے ہوئے ہمارے آخری اجلاس میں کہا تھا کہ اگر دو گھنٹے روز دیتے تو میں مناظرہ کیلئے تیار تھا۔ امسال ہم نے انکو خاص طور پر مخاطب کیا اور انکی حسب فرمائش دو گھنٹے روز دینے کا اعلان کیا۔ رام چندر جی دہلی میں موجود تھے۔ مگر سماج کی طرف سے چیلنج کی منظوری کی کوئی اطلاع موصول نہ ہوئی۔ ۷ مارچ کو میر قاسم علی صاحب کی تقریر تھی۔ تقریر سے پہلے مناظرہ کا وقت رکھا گیا تھا۔ وقت مناظرہ پر کچھ دوست تشریف لائے اور بیان کیا کہ آدھ گھنٹہ کا انتظار کیا جائے جس پر ہم نے منظور کر لیا۔ آدھ گھنٹہ گذر گیا سماجی دوست سائیکلوں پر ادہر سے ادہر اور ادہر سے ادہر دوڑتے پھرتے تھے۔ آدھ گھنٹہ گذرنے پر سماجی دوستوں نے تقریر شروع کرنے کیلئے کہا۔ اور مناظرہ کا وقت بعد تقریر قرار پایا۔ جس پر میر صاحب نے تقریر شروع کی مگر آریہ صاحبان دوران تقریر میں بولنے لگے اور کہا کہ تقریر بند کر دو۔ اور مباحثہ شروع کر دیا جائے۔ جس پر ہماری طرف سے کہا گیا کہ تقریر کے بعد مناظرہ ہوگا آپ نے جب یہ طے کر لیا ہے تو اب تقریر میں شور کیوں مچاتے ہیں۔ ایسی معقول بات کو نامنظور کر کے غل مچاتے ہوئے جلسہ گاہ سے باہر چلے گئے۔

غیر احمدیوں سے مباحثہ صدر بازار کی اہلحدیث انجمن اظہار الحق کی طرف سے چیلنج موصول ہوا۔ ختم نبوت پر مناظرہ قرار پایا۔ ہماری طرف سے مولوی جلال الدین صاحب شمس فاضل اور دوسری طرف سے مولوی عبدالرحمان صاحب۔ اہلحدیث تھے۔ مناظرہ اس درجہ کامیاب رہا کہ ہمارے مخالف بھی یہ کہتے ہوئے مناظرہ سے اُٹھے کہ مقابل پر مولوی صاحب بہت کمزور ہیں۔ اور آپس میں کہتے تھے کہ آج احمدیوں نے اپنا اثر قائم کر دیا۔

حضرت صادق صاحب کی تقریر حضرت مفتی محمد صادق صاحب نے عیسائیت اور اسلام کے مضمون پر تقریر فرمائی۔ اپنے کشوف کا ذکر کیا۔ امریکہ والوں کے بعض جواب بیان کئے کہ انگریزی شکل و شباہت پہلے دکھائی گئی تھی۔ اور وہ کس قدر اسلام قبول کرنے کیلئے طیار تھے اور ہیں۔ آخر میں حاضرین کو مسیح موعودؑ کے قبول کرنے کی طرف پُر زور الفاظ میں توجہ دلائی۔

الحمد للہ اس دفعہ جلسہ احمدیہ اللہ پاک کے فضل سے نہایت کامیاب رہا۔ اور کئی ہزار انسانوں نے حضرت احمدؑ کا کلام سنا۔

خاکسار محمد حسن آسان احمدی۔ سکرٹری جلسہ دہلی شملہ

معاونین الفضل توجہ فرمائیں

جن احباب کی قیمت الفضل ۱۵ مارچ میں ختم ہوتی تھی۔ ان کے نام وی پی کئے گئے۔ جو وی پی انکاری واپس آئے۔ حسب قاعدہ ان کے نام اخبار امانت میں رکھے گئے۔ اور اس طرح پر ایک سو بیس خریدار کم ہو گئے یہ بہت بڑا فرق ہے۔ احباب کرام خاص توجہ فرمائیں الفضل کی اشاعت کا یکدم اتنا گر جانا موجب نقصان ہے انکی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ تحریک یک لاکھ میں چندہ دینے کی وجہ سے اخبار کا وی پی وصول نہیں کیا جا سکا۔ اللہ تعالیٰ ہمارے احباب کے اموال میں برکت دے وہ ذرا ہمت سے کام لیں۔ الفضل کا جاری

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الفضل

قادیان دارالامان ۔ ۲۸ مارچ ۱۹۲۵ء

قانون حج اور مسلمانانِ ہند

حضرت خلیفۃ المسیح ثانی کی بیان فرمودہ تجویز پاس ہو گئی

(نمبر ۱)

ایک مدت سے گورنمنٹ ہند اس امر کی کوشش کر رہی تھی۔ کہ ہندوستانی حجاج کو سفر حج میں جو مشکلات اور مصائب پیش آتے ہیں۔ انہیں دُور کرنے کی تجاویز سوچی جائیں۔ چنانچہ اس بارے میں سنہ ۱۹۰۵ء میں بعض تجاویز گورنمنٹ کے زیرِ غور تھیں۔ جو مُسلمانوں کی مخالفت کی وجہ سے ترک کر دی گئیں۔ لیکن چونکہ گورنمنٹ ہند کی پیش کردہ تجاویز کی مخالفت کرنے والوں نے نہ تو ان سے بہتر تجاویز پیش کیں۔ اور نہ حاجیوں کی تکالیف کو رفع کرنے کا کوئی انتظام کیا۔ اسلئے اپریل سنہ ۱۹۱۱ء میں لارڈ سیڈنہم سابق گورنر بمبئی نے پھر اس سوال کو اُٹھایا۔ اور چند تجاویز گورنمنٹ ہند میں پیش کیں۔ ان تجاویز میں اگرچہ بعض نقائص بھی تھے۔ لیکن ان کا بہت بڑا حصّہ نہایت مفید اور حاجیوں کے لیئے بہت فائدہ بخش تھا۔ لیکن مسلمانوں نے اس وقت بھی کُلّی طور پر تمام تجاویز کی مخالفت کی۔ حالانکہ چاہیئے یہ تھا۔ کہ ان کے نقائص کو پیش کیا جاتا۔ اور جس رنگ میں زیادہ سے زیادہ مفید ہو سکتی تھیں۔ اس میں منظور کرانے کی کوشش کی جاتی۔

اس وقت حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے الفضل کے ذریعہ جسے آپ کی ایڈیٹری میں شائع ہونے کا فخر حاصل تھا اس بارے میں نہایت زبردست اور پُر دلائل مضامین رقم فرمائے۔ جن میں آپ نے جہاں اپنے عینی مشاہدات اور ذاتی تجربات کی بنا پر حاجیوں کی تکالیف اور مصائب کا نہایت دردناک نقشہ کھینچا۔ وہاں ان تجاویز کے حُسن و قبح پر بھی نہایت تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی تھی۔ جو گورنمنٹ کے زیرِ غور تھیں۔ اور انہیں اس صورت میں پیش فرمایا۔ جس سے حجاج کی تکالیف بھی دور ہو سکتی تھیں۔ اور کسی معقول پسند اور عقلمند انسان کے نزدیک ان میں کوئی قابل اعتراض پہلو بھی نہ رہتا تھا۔ آپ کی پیش فرمودہ تجاویز کا خلاصہ یہ تھا:۔

(۱) حاجیوں کے لئے واپسی ٹکٹ کی پابندی لگانی ضروری ہے۔

(۲) نادار حاجیوں کے روکنے کا اختیار نہ کسی افسر کو دیا جائے اور نہ کسی کمیٹی کو۔ اور جبکہ واپسی ٹکٹ لازمی ہو گا۔ تو پھر کسی کو روکنے کی ضرورت نہ رہیگی۔ کیونکہ اس طرح حج کے لیئے وہی جاسکیگا۔ جو آمد و رفت کا کرایہ پیشگی ادا کریگا۔ (۳) اگر کوئی حاجی فوت ہو جائے یا وہیں سکونت اختیار کرے۔ تو اس کے ادا کردہ کرایہ سے کچھ رقم کی واپسی کا انتظام کیا جائے۔ اور اگر کسی حاجی کی طرف سے یا اس کے ورثاء کی طرف سے ایک سال تک بقیہ کرایہ کا مطالبہ نہ ہو۔ تو جہاز ران کمپنی اس کے باقیماندہ روپیہ کو ایک ایسی کمیٹی کے سپرد کر دے۔ جو حجاج کی تکالیف دور کرنے کے لئے مقرر ہو اور وہ مسلمانوں کی بنائی جائے۔ اور وہ کمیٹی ایسے روپیہ کو حاجیوں کے آرام کے لئے صرف کرے۔

ان تجاویز کے علاوہ اس جہاز ران کمپنی کے متعلق بہت سی تجاویز تھیں۔ جیسے حاجیوں کی آمد و رفت کا ٹھیکہ دیا جانے اور ان تجاویز میں ان تمام تکالیف کے انسداد کا لحاظ رکھا گیا تھا۔ جو حاجیوں کو جہاز کے سفر میں پیش آتی ہیں۔ اور جن کی وجہ سے انہیں مالی اور بدنی نقصان کے علاوہ جہازی کمپنیوں کے ادنیٰ ادنیٰ ملازموں کے آگے اس جبین کو جھکانا پڑتا ہے۔ جو صرف خدا تعالیٰ کے سوا اور کسی کے آگے نہ جھکنی چاہیئے۔

حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کے وہ مضامین جنمیں مذکورہ بالا تجاویز پیش کی گئی تھیں۔ حضور وائسرائے ہند کی خدمت میں بھیجدیئے گئے۔ جس کے جواب میں انہوں نے بذریعہ اپنے پرائیویٹ سکرٹری اطلاع دی تھی۔ کہ وہ تمام پرچے اس محکمہ میں بھیجدیئے گئے ہیں۔ جن کے سپرد حجاج کی تکالیف پر غور کرنے کا کام ہے۔

ایک سال سے کچھ زیادہ عرصہ تک یہ معاملہ گورنمنٹ ہند اور گورنمنٹ بمبئی کے درمیان معرض بحث رہا اس عرصہ میں چونکہ مسلمانوں نے اس انتظام کی تائید کرنے کی بجائے مخالفت کی۔ اسلئے گورنمنٹ کو وہ سب سے ضروری اور اہم شرط جو واپسی ٹکٹ کے متعلق تھی۔ اور جس پر حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے بھی بہت زور دیا تھا۔ چھوڑنی پڑی اور تجویز یہ ہوئی۔ کہ واپسی ٹکٹ لینا لازمی نہیں ہو گا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دوسری تجاویز بھی کچھ مفید ثابت نہ ہو سکیں جولائی سنہ ۱۹۱۲ء میں پھر الفضل نے ایک سلسلہ مضامین لکھا اور جو تجاویز دوبارہ پیش ہوئیں۔ ان پر بحث کی۔ چونکہ واپسی کرایہ کی تجویز ہی ایک بنیادی تجویز تھی۔ جس کے بعد دوسری تجاویز مفید ہو سکتی تھیں۔ اور وہ عام مسلمانوں کی کوتہ اندیشی سے گر گئی۔ اس لئے حاجیوں کی مشکلات میں کوئی کمی نہ واقعہ ہوئی۔ بلکہ روز بروز زیادتی ہوتی گئی۔ اور سب سے بڑی مُصیبت جو جدّہ میں ہندوستان کے مفلس اور نادار حاجیوں کی تباہی و بربادی کی صورت میں ہر سال نمودار ہوتی ہے۔ اس میں اضافہ ہوتا گیا۔ حتیٰ کہ سنہ ۱۹۲۱ء میں اگر ایسے حاجیوں کی تعداد ساڑھے چار فیصدی تھی تو سنہ ۱۹۲۲ء میں ان کی تعداد ساڑھے آٹھ فیصدی ہو گئی۔ اور سنہ ۱۹۲۳ء میں یہ تعداد ساڑھے گیارہ فیصدی تک پہنچ گئی۔

اس روز افزون خطرہ کو دیکھ کر جدّہ کی کمیٹی نے جس کے تمام ممبر مسلمان ہیں۔ اپنے ۲۹ مارچ سنہ ۱۹۲۳ء کے جلسہ میں ہندوستانی حاجیوں کے متعلق چند تجاویز پاس کیں۔ جو مرکزی حج کمیٹی کے پاس بھیجی گئیں۔ ان میں پہلی تجویز یہ تھی :۔

"اس جلسہ کی رائے میں غیر محدود طریقہ سے امداد دینے کی وجہ سے مفلسوں کی تعداد بڑھتی جاتی ہے۔ اور نادار لوگوں کی کثیر تعداد سفر حج پر آمادہ ہو جاتی ہے۔ اور یہ بھی ہوتا ہے کہ بعض اوقات مستطیع لوگ بھی اپنے آپ کو نادار ظاہر کرتے ہیں "

ان الفاظ میں جس نقصان کا اعتراف کیا گیا ہے۔ اس کا خطرہ "الفضل" نے سنہ ۱۹۱۲ء میں ہی ظاہر کر دیا تھا۔ اور عجیب بات یہ ہے۔ کہ جن رنگ میں اس کا ذکر کیا گیا تھا۔ اسی کی تصدیق کئی سالوں کے تجربہ کے بعد جدہ کی کمیٹی نے کی۔ الفضل نے اس بارے میں لکھا تھا:۔

"نادار حاجیوں کے لئے کسی فنڈ کا اجراء بھی اس وقت تک کوئی مفید نتیجہ نہیں پیدا کرنے والا معلوم ہوتا۔ جب تک اس بات کا کافی انتظام نہ کر لیا جائے۔ کہ غیر مستحق لوگ مستحقین میں شامل نہ ہو جائینگے۔ اور ممکن ہے یہ فنڈ بہت سے لوگوں کو نادار بننے کی ترغیب اور تحریص دلائے جن کا بوجھ اٹھانا اس فنڈ کے منتظمین کے لئے مشکل ہو جائیگا۔ کیونکہ اکثر لوگ اس فنڈ کا نام سُنکر صرف ایک طرف کا کرایہ مہیا کر کے چل پڑینگے۔ اس لئے نادار فنڈ قائم کرنے کے لئے پہلے کافی طور پر غور و خوض ہو جانا مناسب ہے " (الفضل ۲۴ جولائی سنہ ۱۹۱۲ء)

آخر وہی ہُوا۔ جو "الفضل" نے لکھا تھا۔ اور جدہ کی کمیٹی نے اپنے کئی سالوں کے تجربہ اور مشاہدہ کے بعد الفضل کی رائے کی تصدیق کی۔ مسلمانان ہند اسقدر نقصان اٹھانے کے بعد بھی اگر اس طریق امداد کی غلطی کو تسلیم کر لیں۔ تو ہمارے لئے بہت خوشی کی بات ہو گی۔

دوسری بات جو جدّہ کی کمیٹی نے لکھی ہے۔ وہ نہایت ہی افسوسناک ہے۔ اور ہندوستان کے مسلمانوں کے لئے حد درجہ شرمناک بھی۔ چنانچہ کمیٹی مذکورہ لکھتی ہے :۔

"یہ دیکھ کر ہم کو شرم آتی ہے۔ جب ہم لوگ ہندوستان

کے حاجیوں کا دیگر ممالک کے حاجیوں سے مقابلہ کرتے ہیں
کبھی ان ممالک کا کوئی حاجی بجز ہندوستان کے ایسا دیکھنے
میں نہیں آتا جو بھیک مانگتا ہو۔ یا بوجہ کھانا کپڑا دستیاب نہ ہونے اور
رہائش نہ ملنے کے سڑکوں پر بے کسی کی حالت میں پڑا ہو۔"
یہ الفاظ جس قدر دل دوز اور درد انگیز ہیں۔ اس کے متعلق
ہمیں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ ہر ایک باغیرت اور باحمیت انسان
کو خود بخود اس کا احساس ہو سکتا ہے۔

آہ! یہ اس ملک کے حاجیوں کا حال ہے۔ جس میں بسنے والے
سالہا سال سے مسلمان حکومتوں کی مالی مدد کرتے چلے آرہے
ہیں۔ اور گذشتہ جنگ بلقان کے عرصہ میں طرابلس۔ ترکی اور انگورہ
کی ضروریات کے لئے نصف کروڑ سے بھی زیادہ روپیہ بھیج چکے
ہیں۔ اور لاکھوں روپے خلافت کمیٹیوں کی نذر کر چکے ہیں۔ ان
کے ملک میں رہنے والے۔ ان کے بھائی کہلانے والے۔ ان کا
نمونہ بکوارض حجاز میں جا بجا ایسے جب حج کے لئے جاتے ہیں تو تمام
دنیا کے حاجیوں میں سے صرف وہی ایسے ہوتے ہیں۔ جو وہاں
بھیک مانگتے اور مسلمانان ہند کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ لگاتے
ہیں۔ ان کی حالت اس درجہ قابل شرم ہوتی ہے کہ دوسروں
کو شرم آتی ہے۔ اس کی وجہ محض یہ ہے۔ کہ ایسے لوگ حج کے
لئے روانہ ہو جاتے ہیں۔ جن کے پاس کافی خرچ نہیں ہوتا۔

ان دونوں باتوں کو پیش کرنے کے بعد جدہ کمیٹی نے جو علاج
تجویز پیش کی ہے۔ اور اس بارے میں گورنمنٹ ہند نے جو کارروائی
کی ہے۔ اس کا ذکر اگلے پرچہ میں کیا جائیگا ؛

آریوں کی بُت پرستی

آریوں کا دعویٰ ہے کہ تمام دنیا میں اصل وحدت پرست
صرف وہی ہیں۔ اور باقی سب لوگ مشرک ہیں۔ اس دعویٰ
کی تائید میں جس قسم کے مضحکہ خیز دلائل وہ پیش کیا کرتے ہیں۔
ان میں سے ایک یہ بھی ہے۔ کہ مسلمان اس لئے مشرک ہیں کہ کلمہ
میں اللہ کے ساتھ محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کا نام بھی لیتے
ہیں۔ حیرت ہے۔ کہ یہ اعتراض شردھانند جی صاحب جیسے
سرگردہ آریہ کی طرف سے بھی کیا گیا ہے۔ حالانکہ اگر کلمہ کا
مطلب اور معنی پر ذرا بھی غور کرلیں۔ تو نہ صرف یہ اعتراض
پیدا ہی نہیں ہو سکتا بلکہ اسلام میں وحدت پرستی کی خاص
شان نظر آتی ہے۔ کلمہ کے معنی یہ ہیں۔ کہ اللہ کے سوا کوئی
معبود نہیں۔ اور محمد صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم اللہ کے بندے
اور رسول ہیں۔ یعنی اسلام نے ہر ایک مسلمان سے اللہ تعالیٰ
کے واحد معبود ہونے کے اقرار کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کے انسان اور خدا کا رسول ہونے کا اعتراف کرا کے
اس خدشہ کو بیخ و بنیاد سے اکھیڑ دیا۔ کہ مسلمان بھی
دیگر مذاہب کے لوگوں کی طرح کسی وقت آپ کی پرستش
شروع کر دیں۔ کیونکہ جب وہ آپ کے انسان اور خدا کا
بندہ ہونے کا اقرار کرینگے۔ تو آپ کو معبود نہیں قرار دینگے
چنانچہ دیکھ لو۔ مسلمانوں میں اور بیسیوں عیب اور برائیاں
پیدا ہو گئیں۔ لیکن کوئی فرقہ ایسا نہیں۔ جو رسول کریم
صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کو معبود قرار دیکر آپ کی پرستش
کرتا ہو ؛

لیکن آریہ جو مسلمانوں پر اس قسم کے بودے اعتراض
کرتے رہتے ہیں۔ ان کی اپنی جو حالت ہے۔ وہ ذیل کے
بیان سے معلوم ہو سکتی ہے۔ جو اخبار سناتن دھرم پرچارک
نے بیان کی ہے۔ وہ لکھتا ہے ؛

کہ متھرا میں آریوں نے سوامی دیانند کی شتابدی منائی
اور ان کی مورتیاں بنائی گئیں۔ جن کے آگے ان کا دل
اور سر جھکا۔ وغیرہ وغیرہ۔

سوامی جی کی مورتیاں بنا کر ان کے آگے سر جھکایا جاتا
ہے۔ کہ چند ہی سال کے عرصہ میں آریوں کا قدم کدھر اٹھ
رہا ہے۔ اور دوسروں کو مشرک قرار دینے والے خود
کس طرح شرک میں مبتلا ہو رہے ہیں۔ وہ وقت آئیگا
جب آریہ بھی سوامی جی کے ایک بت کا ان بے شمار بتوں
میں اضافہ کر کے پرستش شروع کر دینگے جن کی ہندو پوجا کرتے
ہیں۔ اور جن کی پرستش وید مقدس سے جائز بتلاتے ہیں۔

آریوں کو احمدیوں سے مناظرات کرنے کی ہدایت

عام طور پر ہر مباحثہ کے متعلق جو آریوں کے ساتھ ہمارا
ہوا۔ آریہ صاحبان یہی کہتے اور لکھتے رہے ہیں کہ انہیں
بہت بڑی کامیابی ہوئی اور احمدیوں کو سخت شکست پھر
بھی نہیں۔ بلکہ یہ بھی کہہ دیا کرتے ہیں۔ کہ احمدی ان کے
مقابلہ پر ہی نہیں آئے یا مقابلہ پر آکر بھاگ گئے چنانچہ
منٹگمری کے متعلق ہی آریہ اخبارات میں یہ شائع ہوتا رہا
ہے۔ کہ وہاں احمدی آریوں کے مقابلہ میں بھاگ گئے۔
جس کی حقیقت پر گذشتہ پرچہ میں روشنی ڈالی گئی ہے
مگر... اصلیت کیا ہے۔ کیا واقعی آریہ صاحبان کے
مقابلہ میں احمدیوں میں کھڑے ہونے کی طاقت نہیں اور
کیا فی الواقعہ احمدی ان سے بھاگ جاتے ہیں۔ اور فتح کا
میدان ان کے ہاتھ میں رہتا ہے۔ اس کا پتہ لگانے
کے لئے سوامی شردھانند جی کا وہ اعلان پڑھ لینا چاہیے
جو انہوں نے ۲۰ مارچ کے تیج میں کیا ہے۔ اور جس میں لکھا
ہے ؛

"وہ آریہ سماجک بھائیوں سے بھی مجھے اس جگہ نویدن کرنا
ہے۔ کہ احمدیوں کے ساتھ آپ کے مناظروں کا حال
پڑھکر مجھے افسوس ہوتا ہے۔ جنہیں عام مسلمان مرتد اور
کافر سمجھتے ہیں۔ ان کے ساتھ مناظرہ کرنے سے کیا فائدہ
یہ مٹھی بھر آدمی مسلمانوں کی نظروں میں اچھے بننے کے لئے
آپ سے خواہ مخواہ کی تحریک لیتے ہیں۔ آپ ان کی
بے جا خواہش کے پورا کرنے میں کیوں مدد دیتے ہیں۔"

اگر آریہ صاحبان فی الواقعہ ہر جگہ احمدیوں کے مقابلہ میں کامیاب
ہوتے رہتے ہیں۔ تو پھر انہیں اس سے کیا کہ احمدیوں کو عام
مسلمان مرتد اور کافر سمجھتے ہیں۔ اور پھر احمدی آریوں کے
مقابلہ میں ناکام ہو کر مسلمانوں کی نظروں میں کس طرح اچھے بن
سکتے ہیں۔ کہ آریہ انہیں مدد دیتے ہیں۔ لیکن یہ سب احمدیوں
سے بچنے کے بہانے ہیں۔ آریوں میں اگر احمدیوں کا مقابلہ
کرنے کی ہمت ہوتی۔ تو یہ سب باتیں جو سوامی جی نے پیش کی
ہیں۔ ان کی ممد اور مددگار تھیں۔ نہ کہ احمدیوں کو فائدہ دینے
والی۔ لیکن چونکہ آریہ کئی سالوں کے تجربہ کے بعد یہ خوب
اچھی طرح سمجھ گئے ہیں۔ کہ احمدیوں کے مقابلہ میں وہ ناکامی کے
سوا کچھ نہیں حاصل کر سکتے۔ اس لئے وہ مباحثات سے
بھاگ رہے ہیں۔

مصلح کی ضرورت اور مسلمان

جب ہم اپنے مسلمان دوستوں کو انکی مذہبی حالت پیش کر کے ایک
مصلح اور مامور کی طرف توجہ دلاتے ہیں تو وہ کہہ دیا کرتے ہیں کہ جب شریعت اسلام
ایک مکمل شریعت ہے۔ اور قرآن کریم موجود ہے تو پھر کسی مامور کی ضرورت
نہیں لیکن ظاہر ہے کہ ان کا یہ عذر بالکل نکما ہے۔ اگر صرف قرآن کریم
کی موجودگی ان کیلئے کارآمد ہو سکتی تو آج انکی یہ حالت نہ ہوتی۔ اور
حقیقت میں وہ خود بھی اس بات کو خوب اچھی محسوس کرتے ہیں۔ اور ایک مصلح
کی آمد کیلئے نہایت بیتاب ہیں ذیل میں انکی اسی قسم کی بیتابی کی ایک
جھلک دکھائی جاتی ہے۔ زمیندار ۱۹ مارچ میں ایک نظم شائع ہوئی ہے
جس کا ایک شعر یہ ہے ؎

اٹھ دکھا گم کردہ راہوں کو صراط مستقیم ؛ اک زمانہ کو ہے میر کارواں کا انتظار

اور پھر نظم کو اس شعر پر ختم کیا گیا ہے ؎

آنیوالے آ۔ زمانے کی امامت کیلئے ؛ مضطرب ہیں تیرے شیدائی زیارت کیلئے

ہم بتلائے دیتے ہیں کہ آنیوالا امام آگیا اور خوش قسمت لوگوں نے اسکو
قبول کر لیا اور کر رہے ہیں۔ لیکن جو اسکا انکار کر رہے ہیں وہ قیامت تک
اگر اسی طرح بلبلاتے رہیں تو بھی کوئی امام ان کے لئے نہ آئیگا۔ کاش! یہ لوگ قوم یہود سے عبرت پکڑیں۔ جو سچے موعود کا انکار کر کے اس وقت تک اپنے خیالی موعود کی آمد کی منتظر بیٹھی رو پیٹ رہی ہے ؛

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خطبہ جمعہ

فرمودہ حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ تعالیٰ

مورخہ ۲۱ مارچ ۱۹۲۵ء

ہم نے شہیدان کابل کے متعلق کیا کیا

سورہ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

جماعت میں جوش اور ہیجان

وہ تکلیف دہ اور صبر و قرار کو کھو دینے والے واقعات جو پچھلے چند مہینوں میں ہمیں پیش آئے۔ ان کے متعلق طبعی طور پر ہماری جماعت کے دلوں میں ایک بہت بڑا ہیجان اور جوش ہے۔ اور ہونا چاہیئے۔ کیونکہ اگر ان مظالم کے بعد جو کابل میں ہمارے مظلوم بھائیوں پر کئے گئے۔ اور اس بیدردانہ سلوک کے بعد جو ہمارے بھائیوں کے ساتھ وہاں روا رکھا گیا۔ ہماری جماعت کے دلوں میں دکھ اور درد اور خاص جوش پیدا نہ ہوتا۔ تو میں سمجھتا۔ کہ ہماری جماعت کے دل نہ صرف برادرانہ محبت اور ہمدردی سے خالی ہیں۔ بلکہ ان کے دل انسانی دلوں سے بدل کر کچھ اور بنا دیئے گئے ہیں۔ پس ان واقعات اور حادثات کے بعد جو کابل میں ہمارے مظلوم بھائیوں کو پیش آئے۔ ہماری جماعت کے اندر جوش کا پیدا ہونا ایک طبعی امر ہے۔ اور میں دیکھتا ہوں۔ ہماری جماعت کے دلوں میں اس بات کا بڑا بھاری احساس اور نہایت ہی گہرا اثر ہے۔ جب وہ یہ دیکھتے ہیں۔ کہ ہمارے کچھ بھائی میدان وفا میں نہایت بہادری اور دلیری کے ساتھ اپنے سروں پر بازی کھیل کر بازی لے گئے ہیں۔ تو ہمیں بھی ضرور کچھ کرنا چاہیئے۔ ہماری جماعت کا یہ جوش یہ احساس اور اپنے مظلوم بھائیوں کی مظلومیت پر ان کے دلوں کا یہ اضطراب نہایت قابل قدر ہے۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ ایسے موقعوں پر ایسا ہی ہونا چاہیئے:۔

طبعی سوال

پس اس جوش اور اس احساس کا طبعی نتیجہ یہ بھی نکلا ہے۔ اور نکلنا چاہیئے تھا۔ کہ ہم غور کریں۔ ہم نے اپنے ان مظلوم بھائیوں کو جن کے ساتھ نہایت بیدردی کا معاملہ کیا گیا یا جن پر افغانستان میں ظلم ڈھائے جارہے اور ہر طرح ان کو ستایا جاتا ہے۔ انہیں ان مظالم سے نجات دلانے اور دشمنوں کے شر سے بچانے کے لئے کیا کیا۔ اور کیا کر رہے ہیں۔ اور آئندہ ہمیں کیا کرنا چاہیئے۔ میں سمجھتا ہوں۔ کہ اس بیدردانہ سلوک پر جو کابل کی حکومت میں ہمارے بھائیوں کے ساتھ کیا گیا۔ اور وہ اندوہ گین اور المناک واقعہ جو ہمارے مظلوم بھائیوں کو نہایت بے کسی کی حالت میں پیش آیا۔ اس کا یہ لازمی نتیجہ تھا۔ کہ ہماری جماعت کے دلوں میں قدرتی طور پر اس سے خاص جوش اور اس کا خاص احساس پیدا ہوتا۔ اس لئے ہماری جماعت کا جوش اور اس صدمہ کا بڑا بھاری احساس اس وقت ایک طبعی امر ہے۔ جو نہایت قابل قدر ہے۔ اور ایک زندہ جماعت کے افراد کی زندگی کا ثبوت ہے۔ کیونکہ ہر ایک ایسی جماعت جس کے افراد زندہ ہوں۔ ان کا فرض ہے۔ کہ انہیں اپنے مصیبت زدہ بھائیوں کی تکالیف کا احساس ہو۔ پس ہر ایک احمدی اسکا ذمہ دار اور جوابدہ ہے۔ اور لازماً ہر ایک کے دل میں ایسے خیالات پیدا ہونے چاہئیں ؛

واقعات کابل کا اثر دوسرے لوگوں پر

لیکن یہ واقعات ایسے المناک اور افسوسناک ہیں۔ کہ ہماری جماعت کے افراد تو ایک طرف رہے۔ وہ لوگ جو ہماری جماعت میں شامل نہیں۔ لیکن ہماری جماعت سے ہمدردی رکھتے ہیں۔ ان کے دلوں پر بھی ان واقعات کا بڑا اثر ہوا ہے۔ پھر وہ لوگ جن کو ہماری جماعت سے کوئی ہمدردی نہیں۔ بلکہ وہ ہمارے دشمن ہیں۔ پھر وہ لوگ جو اسلام کے نام میں بھی ہمارے شریک نہیں۔ بلکہ وہ اسلام کے سخت ترین دشمن ہیں۔ ہمارے بھائیوں کی مظلوم حالت نے ان کے دلوں میں بھی حکومت افغانستان کی نسبت جذبات نفرت کی لہر پیدا کردی ہے۔ حتےٰ کہ بعض ان میں سے اپنے جذبات اور احساسات کو اتنی اہمیت دینے لگ گئے ہیں۔ کہ وہ ہمارے جذبات اور احساسات کا صحیح اندازہ نہ کرتے ہوئے۔ اور ہماری قلبی کیفیات کو نظر انداز کرتے ہوئے یہ خیال کرنے لگ گئے ہیں۔ کہ وہ ہم سے بھی زیادہ اس صدمہ کو محسوس کرتے۔ اور ہم سے زیادہ ہمارے مظلوم بھائیوں کے خیرخواہ ہیں۔ چنانچہ ان کے ہمارے پاس خطوط آئے ہیں۔ اور وہ ہم سے پوچھتے ہیں۔ کہ ہم نے اپنے مظلوم بھائیوں کی اعانت اور مدد کے لئے کیا کچھ کیا اور کیا کرینگے۔

غیر مبایعین اور واقعات کابل

چنانچہ ابھی پچھلے دنوں جو میں ایک کام کے لئے اپنے ایک عزیز کو ملنے کے لئے باہر گیا۔ اور لوٹتے ہوئے لاہور ٹھہرا۔ تو وہاں میرے پاس چند آدمی ان لوگوں کی طرف سے جن کو ہماری جماعت کے لوگ پیغامی کہتے ہیں۔ اور وہ اپنے آپ کو احمدی کہتے ہیں (مجھے ملنے کے لئے آئے۔ وہ جب تک اپنے آپ کو احمدی کہتے ہیں۔ میں بھی ان کو احمدی ہی کہتا ہوں گو عقائد کے لحاظ سے وہ ہمارے سخت مخالف ہیں) میرے پاس آئے۔ ان کی طرف سے میں اس لئے کہتا ہوں۔ کہ ان کی گفتگو سے جو انہوں نے مجھ سے کی۔ میں نے یہ معلوم کیا۔ کہ وہ ان میں ابھی شامل نہیں۔ ہاں ان کے ساتھ تعلقات رکھتے ہیں اور ہمارے ایک بھائی نے جو انہیں ساتھ لے کر آئے۔ بر سبیل تذکرہ بیان کیا۔ کہ یہ لوگ کہتے ہیں۔ جو کچھ کابل کے مظلوم احمدیوں کے متعلق مولوی محمد علی صاحب اور ان کے رفقاء نے کیا ہے قادیان والوں نے اس کے مقابلہ میں کچھ نہیں کیا۔ مجھے یہ بات سن کر خوشی بھی ہوئی۔ کہ اللہ تعالےٰ کا شکر اور اس کا احسان ہے۔ کہ ہمارے ان مظلوم اور بے کس بھائیوں کے ظالمانہ قتل کے خلاف جذبات ان لوگوں کے دلوں میں بھی پیدا ہو گئے ہیں جن سے آج تک سوائے سب و شتم کے ہم نے کبھی کچھ نہیں سنا بلکہ ان واقعات کے بعد بھی انہوں نے کئی ایسی باتیں کی ہیں جن کی غرض صرف ہمیں چڑانے اور ہمارا دل دکھانے کے سوا کچھ نہ تھی۔ مگر بہرحال مجھے اس بات کی خوشی ہے۔ کہ ان کے دلوں میں بھی یہ احساس پیدا ہوا ہے۔ کہ ہمیں اس فعل کے خلاف آواز اٹھانی چاہیئے۔ میں ان کی اس آواز کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہوں۔ لیکن ساتھ ہی مجھے اس بات پر تعجب اور حیرت بھی ہوئی۔ اور پنجابی کی مثل یاد آگئی۔ جو یہ ہے۔ کہ جو ماں سے زیادہ چاہے پھپھے کٹنی کہلائے۔ بھلا انہوں نے کونسی ایسی عملی کارروائی کی۔ یا انہوں نے کونسی ایسی تجویز کی۔ جس کے ذریعے انہوں نے اپنے وہم میں کابل کے احمدیوں کو آزادی دلائی۔ یا وہ اس کے ذریعے ان کو آزادی دلا بھی سکتے ہیں۔ پھر کونسی عقل اس واہمہ کو ایک منٹ کے لئے صحیح سمجھ سکتی ہے۔ کہ وہ جن کے جسموں کے وہ ٹکڑے تھے۔ اور جن کے خون کا وہ حصہ تھے۔ جن کے ساتھ ان کے دنیا کے جسمانی تعلقات سے بھی زیادہ روحانی تعلقات تھے ان کے دلوں میں تو اپنے بھائیوں کے قتل پر کوئی جذبہ اور جوش پیدا نہ ہو۔ اور دوسرے اپنے اندر زیادہ ہمدردی اور جوش محسوس کریں۔ جب جسمانی تعلقات میں یہ بات نہیں ہوتی۔ کہ جن کا کوئی رشتہ دار مصیبت میں ہو۔ اور وہ خاموش گھروں میں بیٹھے رہیں۔ پس روحانی تعلقات جو جسمانی تعلقات سے کہیں بڑھ چڑھ کر اہمیت رکھتے ہیں۔ ان میں یہ کس طرح ہو سکتا ہے۔ کہ جن کا ان مظلوموں کے ساتھ روحانی تعلق ہو۔ وہ تو گھروں میں آرام سے بیٹھے رہیں لیکن دوسروں کے دل ان کے لئے بے قرار اور اضطراب میں ہوں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں۔ کہ جو فعل حکومت کابل نے کیا ہے انسانیت کا تقاضا ہے۔ کہ اس سے سب انسان کہلانے والوں کی طبیعتوں میں جوش اور جذبات پیدا ہوں۔ کیونکہ وہ فعل جو انسانیت کے خلاف ہوتا ہے۔ اس کے خلاف سب کے دلوں میں جوش پیدا ہوتا ہے۔ قطع نظر اس سے کہ مظلوم کسی مذہب اور فرقہ سے تعلق رکھتا ہو۔ مگر اس میں بھی کوئی شبہ نہیں۔ کہ جوش وہ

480

سے بھی صدود اور مدارج ہوسکتے ہیں۔ اور اصلی طور پر جتنا جوش قریب ترین تعلق رکھنے والے لوگوں کے دلوں میں پیدا ہوسکتا ہے۔ اتنا دور سے لوگوں کے دلوں میں پیدا نہیں ہوسکتا۔ اور احساسات کی وہ لہر جو قریب ترین تعلق رکھنے والوں کے دلوں میں پیدا ہوسکتی ہے۔ وہ دوسروں کے دلوں میں نہیں ہوسکتی۔

دیگر مذاہب والوں کی ہمدردی کا شکریہ

میں عیسائیوں اور ہندوؤں کی اس ہمدردی کی بھی جس کا اظہار انہوں نے اس موقع پر کیا ہے ناشکری نہیں کرتا۔ بلکہ میں اسے قدر اور شکریہ کی نگاہ سے دیکھتا ہوں اور ان کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ کیونکہ جو شخص انسانوں کا شکریہ ادا نہیں کرتا۔ وہ خدا تعالیٰ کا بھی شکر گذار نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔ من لم یشکر الناس لم یشکر اللّٰہ۔ پس اس موقعہ پر جن لوگوں نے ہمارے ساتھ ہمدردی کا اظہار کیا ہے۔ خواہ وہ عیسائی ہوں۔ خواہ ہندو خواہ پارسی۔ خواہ آریہ۔ کسی مذہب کے ہوں۔ میں ان سب کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اور ان کے اس فعل کے مقابلہ میں خدا تعالےٰ کے فضل سے میرا دل اپنے اندر ان کی قدر کا خاص احساس پاتا ہے۔

غیر احمدیوں کی ہمدردی کا شکریہ

اور جب کہ میں ان لوگوں کے اس ہمدردانہ فعل کا بھی شکریہ کرتا ہوں۔ تو کیونکر ہوسکتا ہے۔ کہ وہ لوگ جو مذہباً افغان گورنمنٹ کے ساتھ ہیں۔ ان کی اس ہمدردی کو ناقدری کی نگاہ سے دیکھوں جو انہوں نے ہمارے بھائیوں کو نہایت بے رحمی کیساتھ قتل کئے جانے پر کی ہے۔ یقیناً میں ان غیر احمدی اصحاب کو بھی نہایت قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہوں۔ اور ان کی ہمدردی کا اپنے اندر گہرا احساس پاتا ہوں۔ اور اس کو ناقدری اور ناشکری کی نگاہ سے نہیں دیکھتا۔

غیر مبائعین کی ہمدردی کا شکریہ

پھر جب کہ ان غیر احمدیوں کی ہمدردی جو ہمارے سخت مخالف ہیں۔ لیکن اس وقت خدا کے لئے اور انسانیت کے تقاضا سے وہ ہماری ہمدردی میں کھڑے ہوئے ہیں۔ ان کی ہمدردی میرے دل پر اثر کرتی ہے۔ اور جب کہ وہ لوگ جو مذہب میں بھی ہمارے ساتھ شریک نہیں۔ بلکہ وہ اسلام کے سخت مخالف ہیں۔ ان کی ہمدردی کا شکر اور امتنان میرے لئے ممکن ہے۔ اور میں ان کی قدر کرسکتا ہوں۔ تو پھر میرے لئے یہ کیونکر ممکن ہے کہ میں ان لوگوں کی جو کہ ہمارے سلسلہ سے متعلق ہیں۔ گو کتنا ہی بعد رکھتے ہوں ان کی اس ہمدردی اور ان کوششوں کو جنہوں نے لوگوں کے جذبات یا خیالات میں ہیجان پیدا کر دیا ہو شکر اور امتنان کی نظر سے نہ دیکھوں۔ میرے دل میں حاشا وکلا ایک منٹ کیلئے بھی کبھی ان کے متعلق بغض و عناد پیدا نہیں ہوا۔ اور نہ اب ہے۔ بلکہ میں ان کے اس فعل کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہوں۔ بلکہ میرے دل میں ان کا یہ فعل محبت کے جذبات بھی پیدا کرنے والا ہے۔ مجھے اللہ تعالےٰ نے ان لوگوں میں سے نہیں بنایا۔ جو اختلاف کو عداوت کی وجہ بنا لیتے ہیں۔ اور میرے نزدیک جو شخص اختلاف کو عداوت کی وجہ قرار دیتا ہے۔ وہ عقل و دانش کو کھوتا ہے۔ پس خواہ وہ کتنا ہی ہم سے بعد رکھتے ہوں۔ اور خواہ مجھے ان سے کتنا ہی اختلاف ہو۔ اور خواہ ان کی عداوت ہم سے کس قدر ہی بڑھی ہوئی ہو۔ پھر بھی میں ان کے اس فعل کو جو کہ انہوں نے انسانیت اور شرافت کے تقاضے سے کیا ہے۔ نظر انداز نہیں کرسکتا۔ لیکن میں اس خیال کو بھی تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں کہ انہوں نے کوئی ایسا کام کیا ہے۔ یا وہ کوئی ایسا کام کرسکتے ہیں۔ جو ہم نے اپنے ان مظلوم بھائیوں کے لئے جن کو کابل میں ظالمانہ طور پر نہایت بے رحمی کے ساتھ شہید کیا گیا نہ کیا ہو ٭

ہمارے مظلوم بھائی اور ہم

مگر قطع نظر اس کے کہ انہوں نے کچھ کیا ہے یا نہیں۔ ہماری جماعت کے بعض لوگوں کے دلوں میں بھی یہ سوال پیدا ہوا ہے۔ کہ ہم نے اپنے مظلوم بھائیوں کے لئے کیا کیا اور میں سمجھتا ہوں۔ کہ یہ سوال ان کے دلوں میں بے شک پیدا ہونا چاہیئے تھا۔ یہ کوئی قابل الزام بات نہیں۔ کیونکہ وہ بھی اس محبت اور ہمدردی سے کہتے ہیں۔ جو کہ ان کو اپنے ان مظلوم بھائیوں کے ساتھ ہے۔ نہ اس وجہ سے۔ کہ دوسرے لوگوں نے کوئی ایسا کام کیا ہے۔ جو ہم نے نہیں کیا۔ اور واقعہ میں ہمیں یہ نہ دیکھنا چاہیئے۔ کہ اور لوگوں نے کچھ کیا ہے یا نہیں ہمیں یہ دیکھنا چاہیئے۔ کہ ہم نے کیا کیا۔ اور لوگ کچھ کریں یا نہ کریں وہ قابل الزام نہیں۔ مگر ہم قابل الزام ہونگے کیونکہ آدمی ہمارے مارے گئے ہیں۔ وہ لوگ جو احمدی کہلاتے ہیں (پیغامی) یا وہ لوگ جو غیر احمدی ہیں یا عیسائی ہیں۔ یا ہندو ہیں۔ انہوں نے کچھ کیا یا نہ کیا۔ یا وہ ان مظالم کے متعلق پروٹسٹ کریں یا نہ کریں۔ مگر سوال یہ ہوتا ہے کہ ہم نے کیا کیا۔ اگر ان میں سے کسی نے کوتاہی کی تو وہ ذمہ وار نہیں۔ مگر ہم نے اگر کچھ کوتاہی کی ہے۔ تو ہم ذمہ دار ہیں۔ بعض نے مجھے خطوط لکھے ہیں۔ کہ ہم نے اپنے مظلوم بھائیوں کے لئے جو کچھ کیا ہے۔ اس سے زیادہ ہمیں کوشش کرنی چاہیئے تھی۔ اب تک جو کچھ ہوا ہے۔ سب زبانی ہے۔ چنانچہ اسی مضمون کا ایک عزیز نے مجھے خط لکھا ہے۔ گو اس نے اپنا نام خط پر نہیں لکھا۔ لیکن میں اس کے خط کو خوب پہچانتا ہوں۔ اس پر مجھے تعجب ہوا۔ اور میں کوئی وجہ نہیں پاتا کہ اس عزیز نے کیوں اپنا نام نہیں لکھا۔ کیونکہ اس نے کوئی ایسی بات نہیں لکھی۔ جس کے لکھنے پر نام چھپایا جاتا۔ اور جو قابل الزام ہو۔ اور اگر قابل الزام بھی ہوتی۔ تو بھی ایک مومن کی شان کے یہ بالکل خلاف ہے۔ کہ وہ ایک تحریک کرے۔ مگر اپنے آپ کو چھپائے۔ خدا تعالےٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔ قل اعوذ برب الناس ملک الناس الٰہ الناس من شر الوسواس الخناس الذی یوسوس فی صدور الناس۔ کہ تم کہو۔ میں پناہ مانگتا ہوں۔ رب الناس ملک الناس الٰہ الناس سے خناس کے وسوسے کے شر سے۔ پس اپنے آپ کو چھپا کر کسی قسم کی تحریک کرنا تو شیطان کا کام ہے۔ مومن ایک منٹ کے لئے بھی یہ گوارا نہیں کرسکتا۔ کہ وہ ایک تحریک کرے۔ اور پھر اپنے آپ کو چھپائے۔ ایک بات پیش کرے۔ اور خود سامنے نہ آئے یہ طریق خناس کا ہے۔ کہ وہ ایک خیال پیدا کرتا ہے۔ مگر آپ سامنے نہیں آتا۔ مومن کو ایسے طریق سے بچنا چاہیئے۔ میں اگر صحیح سمجھا ہوں۔ تو وہ ایک نیک اور مخلص نوجوان ہے۔ اس کا نام چھپانا میں ناپسند کرتا ہوں۔ اس عزیز نے بھی یہ لکھا ہے۔ ہم نے کابل کے مظالم کے انسداد کے لئے کچھ نہیں کیا۔ اور جو کیا ہے۔ وہ سب زبانی ہے۔ ہم نے اپنی جگہ ریزولیوشن پاس کئے۔ اور یہ ایک شور ہے۔ جو دنیا میں پیدا ہو گیا۔ مگر عملی طور پر ہم نے کیا کیا۔ میرے نزدیک یہ سوال صحیح ہے۔ کہ ہم نے اگر سب کچھ زبانی ہی کیا۔ تو کونسی حقیقی قربانی یا کوئی ایسا کام کیا ہے۔ جس سے ہم ان مظالم میں جو ہمارے بھائیوں پر کئے گئے۔ اور کئے جا رہے ہیں شریک ہوسکیں۔ یا کم از کم ان مظالم سے ان کو بچا سکیں۔ اسلئے میں مناسب سمجھتا ہوں۔ کہ وہ تجاویز اور وہ کوشش جو ہم نے اپنے مظلوم بھائیوں کے لئے کی یا کر رہے ہیں۔ اس حد تک کہ قومی مفاد اور سلسلہ کے اغراض کے لئے ان کا بیان کرنا مضر نہ ہو۔ میں بیان کروں اور بتاؤں کہ کیا کچھ ہم کرسکتے تھے اور کیا کچھ ہم نے کیا۔

حالات کا اختلاف

مگر پیشتر اس کے کہ میں اس مضمون کے متعلق دوستوں کے سامنے مناسب اور قابل ذکر باتیں جو سلسلہ کے مفاد میں حارج نہ ہوں بیان کروں پہلے میں یہ بتانا چاہتا ہوں۔ کہ حالات اور واقعات مختلف ہوتے ہیں۔ بعض حالات وہ ہوتے ہیں۔ جو انسان کے اپنے اختیار میں ہوتے ہیں۔ اور بعض ایسے ہوتے ہیں۔ جو اس کے اختیار میں نہیں ہوتے۔ اسی طرح ان کا ازالہ بھی دو طرح ہوتا ہے ایک وہ جو اپنے اختیار میں ہوتا ہے۔ اور ایک وہ جو اختیار سے باہر ہوتا ہے۔ پھر جن حالات کا ازالہ اختیار میں ہوتا ہے وہ بھی دو طرح کا ہوتا ہے۔ ایک وہ کہ جن کے آدمیوں کو

تکلیف ہوتی ہے۔ ان کے اختیار میں ہوتا ہے۔ کہ وہ اپنے آدمیوں کی تکلیف کو دور کریں۔ اور ایک یہ کہ ان کی تکلیف کا رفع کرنا دوسروں کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ پھر وہ دوسرے لوگ جن کے اختیار میں ان کی تکلیف کا ازالہ ہوتا ہے۔ ان تک پہنچنا ممکن ہوتا ہے۔ اور ایک یہ کہ ان تک پہنچنا ہی ناممکن ہوتا ہے۔ اب جن تک پہنچنا ممکن ہوتا ہے۔ اور تکلیف کا ازالہ ان کے اختیار میں ہوتا ہے۔ ان کی بھی دو حالتیں ہوتی ہیں۔ اگر وہ لوگ جن تک ہمارا پہنچنا ممکن ہوتا ہے متعصب ہوں۔ تو ان تک پہنچنا نہ پہنچنا برابر ہے۔ اور دوسرے یہ کہ اگر ان تک پہنچا جائے۔ تو بجائے فائدہ کے مضر ہوتا ہے۔ مثلاً ایک شخص نے ارادہ کیا ہے۔ کہ وہ ہمیں قتل کرے۔ یا کوئی ایسی گورنمنٹ ہے۔ جو ہمارے قتل کا ارادہ رکھتی ہے۔ اب اگر اس کے پاس ہم پہنچیں تو کوئی فائدہ نہیں [illegible] اپنی تجویز کو بدل لے۔ اور کچھ نہیں ہوتا۔ اور وہ اس بات کی منتظر رہے گی۔ کہ کسی دوسرے موقعہ اور وقت پر اپنا کام کرے۔ اس لئے ایسی حالت میں ایسی مخفی تدابیر سے کام لیا جا سکتا ہے۔ کہ اس کو پتہ نہ لگے۔ تو مختلف واقعات کا ازالہ مختلف طریق سے ہوتا ہے۔ نہیں ہمارا یہ واقعہ بھی اسی قسم کا ہے۔ جس سے ہمارا معاملہ ہے۔ وہ کسی کی رعایا نہیں۔ بلکہ خود بادشاہ اور حاکم ہے۔ اس وجہ سے اس کی اور ہماری حالت میں بہت بڑا فرق ہے۔ وہ بادشاہ ہے اور ہم بادشاہ نہیں۔ اس کے افعال پر خواہ کتنے ظلم کہلائیں [illegible] کہلائیں۔ مگر اس کا ہاتھ کوئی نہیں روک سکتا۔ اس کے ظلم کا انسداد کوئی دوسری حکومت ہی کر سکتی ہے۔ مگر ہماری کوئی حکومت یا بادشاہت نہیں؛

اگر ہماری حکومت ہوتی تو ہم کیا کرتے

اگر ہمارے پاس بھی بادشاہت ہوتی۔ تو قرآن کریم کی رو سے ہم پہلے اپنے ان مظلوم بھائیوں کو حکم دیتے۔ کہ وہاں سے ہجرت کر آئیں۔ اور ہمارا فرض ہوتا کہ ہم ان کے رہنے اور گذارے کا سامان مہیا کرتے۔ لیکن چونکہ اس وقت کہیں بھی احمدی حکومت نہیں ہے۔ اور نہ ہمارے پاس کوئی ملک ہے۔ اس لئے ہم ان کو ہجرت کا حکم نہیں دے سکتے۔ اور نہ ہجرت ان کے لئے فرض ہے۔ ہاں اپنے طور پر جہاں کہیں کوئی پناہ حاصل کر سکتا ہو۔ اور اپنے لئے رستہ کھلا پاتا ہو۔ وہ ایسا کر سکتا ہے۔ ہجرت اسی وقت فائدہ مند ہو سکتی ہے جب کہیں اپنی حکومت ہو۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی جب تک آپ کو حکومت نہیں ملی۔ اس وقت تک مسلمانوں کے لئے ہجرت فرض نہیں ہوئی تھی۔ ۱۳ سال تک متواتر مکہ کے لوگ جس طرح آج احمدیوں پر کابل میں ظلم کیا جا رہا ہے۔ اسی طرح وہ بھی مسلمانوں پر طرح طرح کے ظلم کرتے رہے۔ مگر ان پر ہجرت فرض نہ ہوئی۔ حتےٰ کہ خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی ہجرت نہ کی۔ پھر وہ وقت آیا۔ کہ آپ نے ارشاد الٰہی کے ماتحت مکہ سے ہجرت کی۔ اور آپ کو باہر جا کر مدینے میں حکومت حاصل ہو گئی۔ اور حکومت ملنے کے ساتھ ہی جگہ مسلمانوں پر ہجرت بھی فرض ہو گئی۔ اس سے پہلے ہجرت فرض نہیں ہوئی تھی پس ہجرت اسی وقت فرض ہوتی ہے۔ جب کسی جگہ اپنی حکومت ہو۔ لیکن جب کہیں بھی اپنی حکومت نہ ہو۔ تو پھر ان کو اختیار ہوتا ہے۔ کہ جہاں کہیں اپنے تعلقات اور وسعت کے لحاظ سے وہ اپنی حفاظت کر سکتے ہوں کریں۔ یا پھر اس وقت کا انتظار کریں۔ جب خدا تعالےٰ خود ان کے بچانے کے لئے کوئی راستہ نکالے۔ چونکہ ہماری حکومت نہیں ہے۔ اس لئے ہم ان کو ہجرت کا حکم نہیں دے سکتے۔ یا پھر ان حالات کے ماتحت کہ ایک احمدی اس لئے مارا جائے۔ کہ وہ احمدی ہے۔ شریعت انہیں حق دیتی ہے۔ کہ وہ اس قوم کے خلاف جنگ کریں۔ اور ان کے شر سے اپنے آپ کو بچائیں۔ لیکن چونکہ ہمارے پاس کوئی حکومت نہیں اس لئے یہ بات بھی ہم پر چسپاں نہیں ہو سکتی۔ پس نہ ہم ان کو ہجرت کا حکم دے سکتے ہیں۔ اور نہ کابل کے خلاف جنگ کر سکتے ہیں؛

امیر کابل سے اپیل

تیسری بات یہ ہے۔ کہ ہم امیر امان اللہ خاں کے پاس اپیل کریں۔ مگر یہ بھی فضول ہے۔ اور اس کا کوئی بہتر نتیجہ نہیں نکل سکتا۔ کیونکہ جس گورنمنٹ میں ہمارے بھائیوں کے ساتھ ایسے شدید مظالم ہو رہے ہیں۔ وہ درحقیقت امیر کابل کے ہاتھ میں نہیں۔ اگر افغان حکومت کے اختیار میں یہ تمام معاملہ ہوتا۔ تو شاید وہ ایسا نہ کرتی۔ پس وہ گورنمنٹ جس سے یہ فعل سرزد ہوا۔ میرے خیال میں وہ بھی اتنی مجرم نہیں ہے۔ جتنا کہ بظاہر اس کو سمجھا جاتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں۔ کہ امیر امان اللہ خاں اور ان کے وزراء مجرم ہیں۔ مگر اس لئے نہیں۔ کہ انہوں نے ہمارے آدمیوں کو سنگسار کرایا۔ بلکہ وہ اس واسطے مجرم ہیں کہ [illegible] سے ڈر کر انہوں نے ایسے فعل کا ارتکاب کیا۔ جسے وہ اپنے خیال میں برا سمجھتے تھے۔ اگر امیر اور ان کے وزراء کے ہاتھ کھلے ہوتے۔ اور حقیقتاً کابل کی حکومت ان کے ہاتھ میں ہوتی۔ تو ہم کو ذاتی طور پر علم ہے۔ اور صحیح علم ہے۔ کہ وہ ایسے افعال کو اپنی حکومت میں ہرگز پسند نہ کرتے۔ چنانچہ افغانستان کے وزیر [illegible] سردار محمود طرزی صاحب جو فرانس میں سفیر ہو کر گئے تھے۔ اور امیر امان اللہ خاں کے خسر بھی ہیں۔ جب فرانس سے واپس آتے ہوئے۔ ہندوستان پہنچے تو ہمارے ناظر امور عامہ نے بمبئی میں ان سے ملاقات کی۔ مولوی نعمت اللہ خاں صاحب کی شہادت کا واقعہ سن کر انہوں نے بہت تعجب کیا۔ کیونکہ ذاتی طور پر وہ مولوی نعمت اللہ خاں صاحب کو جانتے تھے۔ انہوں نے کہا کہ میں وہاں پہنچ کر معاملات کے درست کرنے کی کوشش کروں گا۔ اور اپنا پورا زور لگاؤں گا۔ لیکن وہاں جا کر ان کو معلوم ہوا کہ معاملہ ان کی طاقت سے باہر ہے۔ کیونکہ جب خود امیر کچھ نہیں کر سکتا۔ تو بیچارہ وزیر کیا کر سکتا تھا۔

ملانوں سے اپیل

کیونکہ وہاں پر حکومت ملانوں کے قبضہ میں ہے۔ اور ملانوں کے پاس اپیل کرنا ایسا ہی ہے۔ جیسا کوئیں کے پاس کھڑے ہو کر کوئیں سے پانی مانگنا یا آگ سے درخواست کرنا۔ کہ تو خود بخود بجھ جا۔ اور بھلا ہمیں بھلا جن ملانوں کو سالہا سال بلکہ صدیوں سے حرام خوری کی عادت ہو چکی ہو۔ اور حرام خوری ہی ان کی مقتضائے طبیعت ہو چکی ہو۔ ان کے آگے اپنی مصیبت کو پیش کرنا کیا فائدہ دے سکتا ہے۔ چونکہ ان کی [illegible] مردہ ہو چکی ہے۔ اسلئے جب کابل میں مولوی نعمت اللہ صاحب کو شہید کیا گیا تو [illegible] کے ملانوں نے جن کی طبیعت کا مقتضاء شر و جفا کاری ہے۔ بڑی خوشی منائی۔ انہوں نے اور ان کے زیر اثر لوگوں نے امیر کو تاریں دیں۔ اور نہایت خوشی کا اظہار کیا۔ اگر یہ ملانے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے وقت میں ہوتے۔ تو یقیناً یہ یہود کے پاس یا مکے والوں کے پاس اپنے وفد بھیجتے۔ اور نہایت خوشی مناتے کہ انہوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قتل کرنے کی تجویز کی۔ اور آپ کو دکھ دیتے تھے۔ پھر یہی نہیں۔ اگر یہ ملانے مکہ میں پیدا ہوتے۔ تو یقیناً یہ لوگ رسول اللہ صلعم سے لڑتے اور جنگ کرتے۔ لڑنے اور جنگ کرنے کی قومیں نے ان پر بہت زیادہ حسن ظنی کی ہے۔ کیونکہ یہ لوگ سب سے زیادہ بزدل ہوتے ہیں۔ قلم چلانے کے وقت تو یہ آگے ہوتے ہیں۔ لیکن کام کے وقت سب سے پیچھے ہوتے ہیں۔ چنانچہ خلافت کے معاملہ میں سب سے زیادہ یہی ملانے مسلمانوں کی تباہی کا موجب ہوئے ہیں۔ نہ خود انہوں نے نہ صرف کوئی نقصان نہیں اٹھایا۔ بلکہ بہت سے ایسے ہیں۔ جنہوں نے بڑی بڑی رقمیں مسلمانوں سے لئے ہوئے چندوں کی ہضم کر لیں۔ اور وہ مالدار ہو گئے ہیں۔ پس ایسی حالت میں جب کہ حکومت اور اختیار اس قسم کے ملانوں کے ہاتھ میں ہو۔ ان کے آگے اپیل کرنے کا کچھ فائدہ نہیں ہو سکتا اور ایسی حالت میں امیر امان اللہ خاں صاحب کے پاس اپیل کرنا بھی فضول اور بے فائدہ ہے۔ ان کی اپنی ضمیر ان کے سامنے ان مظالم کے خلاف اپیل کر رہی ہے۔ خود سردار محمود طرزی صاحب نے بمبئی میں مولوی نعمت اللہ خاں صاحب کی خبر سن کر بہت افسوس کیا۔ اور کہا۔ کہ میں جا کر اس قسم کے مظالم کا انسداد کروں گا۔ لیکن وہ بھی وہاں پہنچ کر [illegible] انسداد نہ کر سکے۔ کیونکہ وہاں جا کر ان کو محسوس ہوا۔ کہ اگر

ہم ان مظالم کے انسداد کی کوشش کریں گے۔ تو حکومت سے ہاتھ دھونا پڑے گا۔ اس لئے وہ بھی خاموش ہو گئے۔ پس وہ مجرم ہیں۔ مگر بے بس مجرم۔

نجاشی اور امیر کابل

رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وقت نجاشی کو بھی ایسا ہی واقعہ پیش آیا تھا۔ مگر اس نے جرأت سے کام لیا تھا۔ چنانچہ رسول کریم کے صحابہ نے جب ابی سینیا میں جا کر پناہ لی۔ تو مکہ سے کفار کا ایک وفد نجاشی کے پاس پہنچا۔ اور کہا ہم اپنے ملک کی پارلیمنٹ کی طرف سے آئے ہیں۔ تاکہ ہمارے آدمی جو آپ کے ملک میں بھاگ آئے ہیں۔ ان کو واپس لے جائیں۔ آخر کئی دنوں کی گفتگو کے بعد نجاشی پر ظاہر ہو گیا۔ کہ یہ لوگ ظالم ہیں۔ اور مسلمانوں پر ظلم کرتے ہیں۔ اس لئے اس نے مسلمانوں کو ان کے ساتھ بھیجنے سے انکار کر دیا۔ چونکہ اس وفد نے عام عیسائیوں اور پادریوں کو مسلمانوں کے خلاف یہ کہہ کر بہت مشتعل کر دیا تھا۔ کہ یہ لوگ حضرت عیسےٰ کی شان گھٹاتے اور ان کی ہتک کرتے ہیں۔ تم کیوں پناہ دیتے ہو۔ انکو ضرور انکے حوالہ کرنا چاہیئے۔ اور سب کے سب بغاوت پر آمادہ ہو گئے۔ اس سے معلوم ہو سکتا ہے۔ کہ امیر کابل کی مشکلات نجاشی کے مقابلہ میں بہت ہی ادنیٰ اور بہت ہی حقیر ہیں۔ کیونکہ نجاشی کی حکومت کی حالت اس وقت امیر کی بادشاہت سے بہت زیادہ بدتر تھی۔ امیر کے ساتھ تو اس کے کچھ خیال کے لوگ بھی ہیں۔ لیکن نجاشی کے تو سب کے سب مخالف ہو گئے تھے اور عجیب بات یہ ہے۔ کہ جس طرح امیر کابل کو حکومت ملی ہے اسی طرح نجاشی کو بھی ملی تھی۔ جس طرح امیر کا چچا ملک پر حکومت کرنا چاہتا تھا۔ اور پھر امیر کو حکومت مل گئی۔ اسی طرح نجاشی کا چچا بھی ملک پر قبضہ کرنا چاہتا تھا۔ اور پھر نجاشی کو حکومت مل گئی۔ مگر افسوس کہ ایک عیسائی نے تو یہ جرأت دکھلائی کہ اس قدر مخالفت کے باوجود ایک تنکا اٹھایا۔ اور کہا۔ جو کچھ مسلمانوں نے حضرت عیسےٰ کے حق میں بیان کیا ہے۔ میں حضرت عیسیٰ کو اس سے زیادہ اس تنکے کے برابر بھی نہیں سمجھتا تم یاد رکھو۔ کہ خدا نے مجھے بادشاہ بنایا ہے۔ تم نے میرے چچا کے وقت میرا کیا بگاڑ لیا تھا۔ کہ اب میرا کچھ بگاڑ لو گے بے شک۔ تم سب میرے مخالف ہو جاؤ۔ مگر میں ان مظلوموں پر ہرگز ظلم نہیں ہونے دوں گا۔ مگر امیر نے ملانوں کے شور و شر سے خوف کھا کر خاموشی اختیار کی۔ اور ان مظالم کے انسداد کے لئے جرأت سے کام نہ لیا۔ ورنہ اگر وہ جرأت سے کام لیتا تو کوئی بڑی بات نہ تھی۔ خدا تعالےٰ اس کی مدد کرتا۔ اور اسی طرح مدد کرتا۔ جس طرح اس نے نجاشی کی کی تھی۔ پس اس میں کوئی شک نہیں۔ کہ امیر کابل مجرم ضرور ہے۔ مگر ہمیں اسکے حالات معلوم ہیں۔ اور ہم یقیناً جانتے ہیں۔ کہ وہ اور نہ اس کے وزراء یہ ہرگز پسند نہیں کرتے۔ کہ احمدیوں پر اس قسم کے ظلم کئے جائیں۔ لیکن ان کے دساوس نے ان کے ہاتھ پاؤں جکڑے ہوئے ہیں۔ انہوں نے یہ سمجھ رکھا ہے۔ کہ ملانوں کے مقابلہ میں خدا کا ہاتھ ہماری حکومت کی حفاظت نہیں کر سکتا۔ اس لئے انہوں نے بزدلی دکھائی ہے۔ پس ایسی حالت میں ان سے اپیل کرنا فضول ہے۔ جب تک کہ ان کی حکومت ملانوں کے ہاتھ سے نہ نکلے۔

ملانوں کے فتوے

باقی رہے ملانے اب خواہ کوئی شخص کتنا بھی تعصب میں اندھا ہو رہا ہو۔ وہ اس امر کا ہرگز یقین نہیں کر سکتا۔ بلکہ امید بھی نہیں کر سکتا کہ وہ ملانے ہماری اپیل پر اپنے فتوے کو واپس کر لیں گے۔ اور ان مظالم سے وہ دست بردار ہو جائیں گے۔ بھلا دیوبند کے ملانوں کے سامنے ہی کوئی اپیل کر کے منوا لے تو سہی۔ جو لوگ کہ انسانی خون میں جو نہایت بے دردی اور ظالمانہ طور پر کیا جائے۔ خوشی اور لذت محسوس کریں۔ جن کی ضمیر قطعاً ایسی حرکات پر ان کو ملامت اور شرمندہ نہ کرے۔ بلکہ وہ فخر کے طور پر اعلان کریں۔ اور نہ صرف یہ کہ وہ فخر کریں۔ بلکہ ان لوگوں کو جنہوں نے اس قسم کے ظلم کئے۔ یہ تحریک کریں۔ کہ یہ بہت اچھا کام ہے۔ اس کو جاری رکھنا چاہیئے۔ جن کی فطرت اس حد تک گر گئی ہو۔ ان کے آگے ان کی اس قسم کی حرکات کے خلاف اپیل کرنے میں کیا فائدہ ہو سکتا ہے۔ اگر امیر امان اللہ خاں کو سیاسی مجبوریاں اور دنیاوی اغراض کے پورا ہونے کا خطرہ پیش نظر نہ ہوتا۔ تو اس کے پاس اپیل کرنے کا فائدہ بھی ہو سکتا تھا۔ لیکن افغان گورنمنٹ اپنے سیاسی حالات کے ماتحت مجبور ہے۔ یا کم از کم وہ اپنے آپ کو مجبور رکھتی ہے۔ حالانکہ اگر وہ حق کی تائید میں کھڑی ہوتی۔ تو خدا تعالےٰ اس کی مدد کرتا۔ پس وہ خود آزاد نہیں بلکہ ملانوں کا ان پر قبضہ ہے۔ اور کون کہہ سکتا ہے۔ کہ ملانوں نے کوئی فتوےٰ دیکر خصوصاً جبکہ انہوں نے اس فتوےٰ کو شریعت کی طرف منسوب کیا ہو۔ آج تک کبھی بھی اپنی غلطی کا اقرار کر کے اپنے فتوےٰ کو واپس لیا ہے۔ الا ماشاء اللہ بزرگوں کو چھوڑ کر جو پہلے قلیل تعداد میں گذرے ہیں۔ ایک مثال بھی ایسی نہیں ملتی۔ کہ ملانوں نے کبھی بھی اپنے فتوےٰ کی غلطی کا اعتراف اور اعلان کیا ہو۔ حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ بھی انہی ملانوں کے فتووں کی وجہ سے شہید کئے گئے۔ اگر کوئی ایک بھی ایسی مثال پیش کر دی جائے۔ کہ ان مولویوں کے پاس اپیل کرنے سے انہوں نے اپنے فیصلہ کو بدل دیا ہو۔ اور انہوں نے اعلان کر دیا ہو۔ کہ ہم سے غلطی ہوئی ہے۔ تو ہم ان ملانوں کے پاس اپیل نہ کرنے کی غلطی کا اعتراف کرینگے اور ہم جواب دہ ٹھہریں گے۔ لیکن اگر آج تک کوئی ایک مثال بھی ایسی نہیں ملتی۔ تو پھر یہ کہنا عدل و انصاف کے خلاف ہے۔ کہ ہم نے ان کے پاس اپنی مصیبت کے لئے اپیل کیوں نہیں کی خواہ کوئی کتنا ہی متعصب کیوں نہ ہو۔ کون کہہ سکتا ہے یا امید بھی کر سکتا ہے۔ کہ ان مولویوں کے پاس اپیل کرنے سے کچھ فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ پس افغانی گورنمنٹ کی مجبوریوں کو جو اسکے خیال میں مجبوریاں ہیں مد نظر رکھکر اور ان علماء کے ان فتووں کو مد نظر رکھکر اور وہ بھی اس بناء پر کہ انہوں نے اپنے فتوے کو شریعت پر مبنی قرار دیا ہے کون کہہ سکتا ہے۔ کہ ان کے پاس اپیل کرنا یا کوئی اور کوشش نفع مند ہو سکتی ہے۔ پس یہ رستہ تو ہمارے لئے بند ہے۔ اس سے ہمیں کچھ نفع نہیں پہنچ سکتا۔ ہاں کچھ اور تجاویز بھی ہیں جن میں سے بعض انشاء اللہ میں آئندہ خطبہ میں بیان کروں گا۔ کیونکہ سیاسی امور میں ہر ایک بات قابل ذکر نہیں ہوتی۔ بلکہ سیاسی اور دنیاوی مفاد کے لئے ان کا اخفا ضروری ہوتا ہے۔ ان میں بتلاؤں گا۔ کہ ہم صرف پروٹسٹ ہی نہیں کر رہے۔ بلکہ ہم عملی کام بھی کر رہے ہیں۔

کابل کے احمدیوں کے لئے دعائیں

میں پہلے بھی جماعت کو اس امر کی طرف توجہ دلا چکا ہوں۔ کہ ہمارے جو بھائی کابل میں قتل ہوئے ہیں وہ تو فوت ہو چکے۔ لیکن جو باقی ہیں۔ ان کے لئے ہمیں فکر ہونی چاہیئے۔ اور اس کا بہتر علاج یہی ہے۔ کہ ہم توجہ کے ساتھ کابل کے احمدیوں کے لئے دعائیں کریں۔ اور خصوصیت کیساتھ ان مظلوموں کے لئے جو وہاں گرفتار ہیں۔ کہ خدا تعالےٰ ان کو ہر قسم کے ظلموں سے نجات دے۔ ہم کمزور ہیں۔ لیکن ہمارا خدا طاقتور ہے۔ وہ سب کچھ کر سکتا ہے۔ میرے نزدیک وہ جو ان مظلوم بھائیوں کے لئے دعا نہیں کرتا۔ وہ احمدی کہلانے کا مستحق نہیں۔ پس ان کے لئے دعائیں کرو۔ اور بار بار کرو۔ اور عجز و انکسار کے ساتھ کرو۔

اشتہار

ضرورت

(۱) شاہجہان پور یو پی کے لئے ایک ایسے معلم کی ضرورت ہے جو بچوں کو قرآن کریم اور معمولی اردو پڑھا سکے۔ کھانا کپڑا اور مکان رہائش کے لئے ملیگا۔ اور جہاں سے وہ آئیگا کرایہ بھی ملیگا۔ ضرورت مند احباب مطلع فرماویں۔ تنخواہ دینے کی استطاعت نہیں ہے (۲) ایک ویٹرنری گریجوایٹ (جی۔ بی۔ وی۔ سی) کی ضرورت ہے۔ ایک سو پچیس تنخواہ ہے بمبئی کمیٹی دیگا رہے۔ درخواستیں میرے پاس جلدی جائیں۔ میں آگے بھیجدونگا۔ معاملہ چھوڑ دیا جاوے۔ (ذوالفقار علی خاں۔ ناظر امور عامہ۔ قادیان)